انتظار حسین

غالب، گھڑی، اقبال اور پاکستان

غالب، پاکستان، اقبال، اردو زبان، ان چار چیزوں کی آمیزش سے جو خمیر اٹھا، اس سے پروفیسر حمید احمد خاں بنے۔ باقی ایک چیز گھڑی تھی جس نے ان کی زندگی میں بہت عمل دخل پیدا کر لیا تھا۔ جلسہ گاہ میں ایسے داخل ہوتے تھے، جیسے ڈپٹی نذیر احمد دلی کی لائبریری میں داخل ہوتے تھے۔ روزانہ کا یہ معمول تھا کہ ادھر گھنٹہ گھر کے گھڑیال نے ٹن ٹن چھ بجائے اور ادھر ڈپٹی نذیر احمد لائبریری داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ڈپٹی نذیر احمد لائبریری میں داخل ہو گئے۔ مگر گھڑیال نہ بولا۔ گھنٹہ گھر والے اس پر پریشان ہوئے اور جھٹ پٹ اپنی گھڑی کو درست کیا۔ اور حلقہ ارباب ذوق کا جلسہ اس روز ۴ بجے سہ پہر کو شروع ہوا تھا۔ اور پروفیسر حمید احمد خاں کو صدارت کرنی تھی۔ حلقہ کے ادیبوں نے چار بجے کو کب چار بجے سمجھا تھا کہ آج ہی سمجھتے۔ خاں صاحب نہ ایک سیکنڈ ادھر نہ ایک سیکنڈ ادھر۔ ٹھیک چار بجے وائی۔ ایم۔ سی اے کے بورڈ روم میں داخل ہوئے۔ کمرے میں آدمی نہ آدم زاد۔ انھوں نے گھڑی کلائی سے کھول کر سامنے میز پر رکھی۔ یوں سمجھیے کہ تلوار نیام سے نکال کر روبرو رکھی۔ پھر حلقہ کا جو منتظم آیا اُس نے خاں صاحب کی گھڑی کو مثال شمشیر برہنہ میز پر رکھے دیکھا۔ خاں صاحب کے تیور دیکھے اور سہم کر رہ گیا۔

ویسے خاں صاحب کے تیوروں کا معاملہ یہ تھا کہ اوپر سے سخت اندر سے نرم، شہرت بخاری حلقۂ ارباب ذوق ادبی کے جلسہ میں بتا رہے تھے کہ خاں صاحب عید کے بعد اسلامیہ کالج میں آکر چپراسیوں کے کوارٹروں پر پہنچتے، عید ملتے اور عیدی دے کر آتے۔ ایک برس ایک چپراسی بیمار ہو کر گاؤں چلا گیا۔ خاں صاحب نے اس کا پتہ معلوم کیا۔ دو سو روپے کی عیدی اسے وہاں بھیجی، ویسے تو اسلامیہ کالج چھوڑے ہوئے خاں صاحب کو مدت ہی ہو گئی تھی۔ مگر چپراسیوں کے ساتھ ان کی وضعداری چلے جا رہی تھی۔

یونس جاوید نے مجلس ترقی ادب کے خاکروب کے ساتھ ان کی وضعداری کا قصہ سنایا۔ علامہ اقبال کے جشن پیدائش کا جلسہ جب بخیر و خوبی ہو چکا تو طے ہوا کہ سب عملہ والے مل کر چائے پئیں۔ عملہ کے سب اراکین موجود تھے۔ مگر خاں صاحب کی آنکھیں مجلس کے خاکروب کو تلاش کر رہی تھیں۔ اسے بطور خاص بلوایا۔ کہا بھائی، تم عیسائی ہونے کی وجہ سے ہمارے ساتھ چائے پینا پسند نہ کرو تو الگ بات ہے، مگر ہمیں تمھارے ساتھ چائے پی کر بہت خوشی ہو گی۔

علامہ اقبال کے جشن پیدائش کا ذکر آیا ہے تو یہ سن لیجیے کہ خاں صاحب اُٹھتے بیٹھتے دو شاعروں کا وظیفہ پڑھتے تھے غالب کا اور اقبال کا۔ ایک وقت تھا کہ دلی کے گلی کوچوں کی خاک چھان رہے تھے اور ان بوڑھوں اور بوڑھیوں کا کھوج

لگاتے پھرتے تھے جنھوں نے غالب کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ ان کی اس تحقیق کی دنیائے ادب نے بہت داد دی وہ دو مقالے غالبیات میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ مگر علامہ اقبال کے جشن صد سالہ کے سلسلہ میں انھوں نے جو سرگرمی دکھائی اس کی داد کم ملتی، بیداد زیادہ ملتی۔

پاکستان میں آپ علم و ادب کے بارے میں تھوڑے سے سنجیدہ ہو جائیے، بیداد خود بخود آپ کو ملتی چلی جائے گی۔ وائس چانسلری کے زمانے میں خاں صاحب نے منصوبہ بنایا کہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام غالب کا جشنِ صد سالہ منایا جائے۔ اس پر افسرانِ بالا نے الگ ناک بھوں چڑھائی اور اہلِ سیاست الگ ناراض ہوئے۔ جشن کا وقت آنے سے پہلے ہی یونیورسٹی سے وہ سبک دوش کر دیے گئے، مگر اصلی کام انجام پا چکا تھا، یعنی غالب کی ساری نظم و نثر کتابوں کے ایک سلسلہ میں چھپ چکی تھی۔ بس وہ ایک مختصر سا زمانہ تھا جب پاکستان کی تاریخ میں پنجاب یونیورسٹی کو ایک علمی وقار حاصل ہوا اور اس تاریخ سے اس کا رشتہ پیدا ہوا جس کا پاکستان حاصل ہے۔ ورنہ اس یونیورسٹی کو ہم نے پہلے بھی دیکھا تھا اور خاں صاحب کی رخصتی کے بعد سے بھی دیکھتے چلے آ رہے ہیں۔

تعلیم، تہذیب، ادب، قومی معاملات، یہ معاملات تو ہوئے، مگر ڈاکٹر وزیر آغا نے روحانیت میں ان کے شغف کا پتہ دیا۔ مولانا صلاح الدین احمد اور حمید احمد خاں کا اکٹھے ڈاکٹر وزیر آغا کے والد کے پاس پہنچنا اور اس صاحب سلوک سے فیض حاصل کر کے واپس ہونا۔ اصل میں باتیں کرنے کے لیے بہت تھیں۔ کچھ باتیں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے کیں۔ کچھ باتیں انجم رومانی نے کیں، کچھ باتیں شہرت بخاری نے کیں۔ یہ تو رسمی جلسے کی باتیں ہوئیں مگر غیر رسمی جلسے جو ہو رہے ہیں۔ جہاں چار پڑھے لکھے آدمی جمع ہوئے اور خاں صاحب کی باتیں ہونے لگیں۔ کوئی کوئی شخص اس طرح رخصت ہوتا ہے کہ یادوں کا ایک جہان پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

"بدلتا ہے رنگ آسماں"

افسانوی مجموعہ

(زیرِ طبع)

آغا سہیل

۱۹۴۸ء سے افسانے لکھ رہے ہیں۔ لیکن اس مجموعہ میں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۷۲ء تک کے افسانوں کا انتخاب شامل ہے

آغا سہیل کے فن کے بارے میں سنجیدہ ادبی حلقوں نے ہمیشہ اچھی رائے دی ہے۔ آپ بھی رجوع فرمائیے۔

مکتبۂ اقبال بک کارنر، گلبرگ نمبر ۲، لاہور

سول ایجنٹ — مکتبہ کتاب نما فنون — ۴۷۔ انارکلی لاہور